ملا معاویہ حنفی

جدید فکری مغالطے

پروفیسر حسن عسکری ایک جدید تعلیم یافتہ آدمی تھے، جدید وقدیم مذاہب اور مغرب کے فکری رجحانات کا مطالعہ ان کا اختصاص رہا، اردو ادب کے بلند پایہ نقاد تھے۔ ایک عرصہ انکارِ خدا کی پرخار وادیوں میں بھٹکتے رہے بالآخر اللہ پاک نے توبہ کی توفیق دی اور حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ بعدازاں ''معارف القرآن'' کے انگریزی ترجمے کیلئے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے ساتھ معاونت کی۔ عسکری صاحب نے زندگی کے نئے دور میں آنے کے بعد خصوصیت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے مواعظ اور کتب کا مطالعہ کیا اور بہت سے سوالوں کا شافی جواب پایا۔ چونکہ مغربی فکر وفلسفہ کا گہری نگاہ سے مطالعہ کیا تھا اور جدید علم کلام سے پوری طرح واقف تھے اس لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب کے مطالعے سے ان پر مغرب کی فکری گمراہیاں آشکار ہوتی چلی گئیں، اس کے علاوہ ایک نو مسلم مفکر ''رینے گینوں'' جس کا اسلامی نام عبدالواحد یحییٰ تھا اور اس نے خود مغربی فکر کی گمراہیاں علیحدہ سے بیان کی تھیں، کی کتب ومقالات کا مطالعہ بھی کیا۔ چونکہ مغرب کے فاسد تصورات کو ہمارے پڑھے لکھے طبقے میں دانستہ ونادانستہ طور پر قبول عام حاصل ہے اور جب بھی وہ تحریر لکھتے ہیں تو ان کے سامنے یہی مغربی تصورات ہوتے ہیں اور انہی کی مدد سے وہ دین اور اہل دین پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ انگلیوں پر گنے جانے والے وہ علماء دین جو مغربی فکر وفلسفہ کو بخوبی جانتے ہیں کو چھوڑ کر باقی علماء جنہیں مغرب کی علمی تحریکوں کے مطالعے کا وقت نہیں ملا۔ ان کیلئے حسن عسکری نے ''جدیدیت'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ غالباً یہ کتاب انہوں نے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کیلئے لکھی کہ وہ اس کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے طلبہ کو ایک کورس کروائیں تاکہ دینی مدارس کے طلبہ مغرب کی گمراہ کن فکری تحریکوں سے آگاہ ہوسکیں۔ شاید ایسا نہیں ہوسکا، بہرحال یہ کتاب قابل مطالعہ ہے، ایسے طلباء جو فلسفہ اور جدید علم کلام کے مطالعے کا ذوق رکھتے ہیں وہ اگر اپنے اساتذہ کی رہنمائی میں اس کتاب کا مطالعہ کرلیں تو مفید ہوگا۔

عسکری صاحب نے اس کتاب کے آخر میں نمبر دار مغرب کی ان فکری گمراہیوں کو گنوایا ہے جو ہمارے ہاں رواج پاگئیں بلکہ مضبوطی سے جڑ پکڑ چکی ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ سقوطِ امارت اسلامیہ افغانستان کے بعد خود کو دینی رہنما کہلوانے والے حضرات بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کا شکار نظر آتے ہیں، حسن عسکری نے جو مغربی گمراہیاں گنوائی ہیں ان میں چیدہ چیدہ حسب ذیل ہیں۔

(نوٹ: بین القوسین توضیحات راقم کی طرف سے ہیں)

☆ یہ سمجھنا کہ عقائد میں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہتی ہے۔

☆ عقیدے کو محض جذباتی سمجھنا اور عقیدے کو منجمد جذبہ کہنا۔

☆ دینی احکام کی عقلی مصلحتیں ڈھونڈنا۔

☆ مذہب پر ذہنی اور مادی جمود کا الزام لگانا۔

☆ فقہ کے احکام کو انسانی قوانین کہنا۔

(ہمارے بیش تر کالم نگار بڑے تسلسل کے ساتھ اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں کہ فقہی آئمہ نے بادشاہوں اور امراء و خلفاء کی خوشنودی کیلئے فقہی مسائل گھڑے اور ان کی مرضی کے مطابق مسائل کی تشریح کی۔ وہ قوانین جنہیں ''اسلامی قوانین'' کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں ان کے اپنے بنائے ہوئے قوانین ہیں۔ قرآن و حدیث سے ان کا کوئی تعلق نہیں، انگریزی میں لکھنے والوں کے خیالات تقریباً یہی ہوتے ہیں۔ بعد ازاں انہی کالموں کا ترجمہ اردو اخبارات میں بھی ایک خاص زاویہ نگار سے شائع کیا جاتا ہے۔)

☆ یہ دعویٰ کرنا کہ دین ''سیدھی سادی'' چیز ہے اور علماء نے اسے پیچیدہ بنا دیا ہے۔

☆ دین میں تحریف کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم اصلی دین کو زندہ کر رہے ہیں۔

(مثلاً علماء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ تصویر حرام ہے مگر بہت سے لوگ اور دینی قیادت کے دعوے دار مصر کے اباحیت پسند علماء کی پیروی کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں تصویر کے بغیر چارہ نہیں۔ جب انہوں نے تصویر کو جائز قرار دے لیا تو پھر ٹی وی ، وی سی آر اور ڈش سب جائز ہو گیا، بس اس میں ذرا سی بیخ یہ لگائی جاتی ہے کہ جو چیز آپ کیلئے عمومی حالت میں دیکھنا شرعاً جائز ہے وہ ٹی وی میں بھی دیکھنا جائز ہے۔ مرد کی متحرک تصویر کو ایک مرد دیکھ سکتا ہے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹی وی کے ذریعے اسلامی معاشرے کو بہتر انداز میں دکھایا جا سکتا ہے۔ اس لئے علماء کو چاہیے کہ اس کے جواز کا فتویٰ دیں وغیرہ)

☆ یہ دعویٰ کرنا کہ شریعت موجودہ زمانے میں کام نہیں دے سکتی۔

☆ دین کو جدید بنانے کی کوشش، یہاں تک عقائد کو بھی۔

☆ جدت برائے جدت اور تبدیلی کا شوق، دین کی نئی تفسیریں کرنا محض اس لئے کہ کوئی نئی بات پیدا کی جائے۔

(یہ بھی بہت عام بات ہو چکی ہے کہ ''جدت'' کا لفظ ہمارے خیالات میں اس قدر رچ بس چکا ہے کہ ڈھالا جائے تا کہ مغرب کیلئے اور وہ لوگ جو مغرب سے متاثر ہیں، ان کیلئے قابل قبول ہو سکے۔ لاہور میں ایک صاحب ہیں، علمیت کا انہیں دعویٰ ہے، ننگے سر بیٹھ کر درس قرآن دیتے ہیں یا زیادہ احترام دامن گیر ہو تو ناک پونچھنے والے رومال سے سر کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ قارئین نے ایسے دستی رومال خاص ہیئت سے سر پر باندھ کر اکثر بابولوگوں کو دیکھا ہوگا۔ ان کے سامنے

پہلی رو میں بے پردہ فیشن ایبل خواتین باصد عشوہ و ناز بیٹھتی ہیں اور درس قرآن کی سماعت کرتی ہیں، باقی سامعین بھی یوں تشریف فرما ہوتے ہیں کہ وہ درس قرآن سننے کیلئے نہیں بلکہ ''نوم چومسکی'' کا ہنگامہ خیز لیکچر سننے کیلئے آئے ہیں۔ قرآن مجید کا احترام، درس قرآن کی مجلس کے آداب، قرآن سے ہدایت حاصل کرنے اور رہنمائی لینے کا جذبہ سب مفقود ہوتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں لاہور میں ایک ماڈل مسجد بنانے کا اعلان کیا گیا، بتایا گیا ہے کہ مسجد سے متصل جوگنگ ٹریک ہوگا، خواتین کی علیحدہ گیلری ہوگی، انٹرنیٹ کلب بنایا جائے گا، کیرم کلب بھی ہوگا۔ ملک کو ماڈرن اسلامی ملک بنانے والوں نے خانۂ خدا سے اپنی دین مخالف سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے، جب اس قسم کی سہولتیں مسجدوں کے ساتھ فراہم کی جائیں گی تو مسجد میں آنے والے نمازیوں میں نیکی و تقویٰ کی مطلوب اصل روح کہاں ہوگی؟ مسجد میں آتے ہوئے ضروری ہے کہ انسان کا دل اور دماغ یادِ الٰہی میں محو ہو، اسے اپنے گناہوں پر ندامت ہو اور وہ سر جھکائے عاجزی وانکساری کے ساتھ مسجد میں داخل ہو، مگر جب نمازی کیلئے زیرِ سایہ مسجد ایسی خرافات مہیا ہوں گی تو وہ ان سے نمٹتا ہوا مسجد میں داخل ہوگا، تب نماز نماز نہیں رہے گی، عیسائیوں کی ہفتہ وار ''سروس'' ہو جائے گی۔)

☆ ''جدیدیت'' الفاظ کے جادو سے کام لیتی ہے اور لوگوں کے ذہنوں کو مسحور کر کے سوچنے سمجھنے کی طاقت کو معطل کر دیتی ہے۔ چنانچہ کسی چیز کی تحسین کیلئے اسے جدید یا سائنٹیفک کہہ دینا کافی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح کے الفاظ ہیں ''آزادی، انسانی مسرت، خوشحالی، زندگی کا معیار بلند کرنا، روزمرہ کی زندگی، عام آدمی'' (یہ الفاظ دین مخالف تحریریں لکھنے والوں کے ہاں اکثر و بیشتر نظر آتے ہیں، ظاہر تحریریں لکھنے والوں کے ہاں اکثر و بیشتر نظر آتے ہیں۔ ظاہر یہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ انسانیت کا کتنا گہرا درد رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ نہیں ہوتی۔)

☆ انسان کی مادی خوش حالی کو معیار بنانا، قناعت سے انکار کرنا۔ (جیسا کہ صدر پاکستان نے اپنے تاریخی تقریر میں ''ترقی اور خوش حالی'' پر زور دیا ہے اور کہا ہے کہ ''ہمیں ایک باعزت اور ترقی یافتہ قوم کے طور پر عالمی برادری کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے'')

☆ عمرانیات اور اجتماعیات کی رو سے دین کا مطالعہ، مذہب کو بھی ایک عمرانی ادارہ سمجھنا اور مذہب کو رسم و رواج کی سطح پر پرکھنا۔

☆ یورپ اور ''تہذیب'' کو مترادف سمجھنا اور مغربی تہذیب کو معیار بنانا، اسی معیار سے دین کو جانچنا۔

☆ عقائد، شرعی احکام اور عبادات کو نسلی، جغرافیائی یا تاریخی اثرات کے ماتحت رکھنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ یہ تصورات ایک خاص مقام اور ایک خاص وقت میں خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوئے تھے اور صرف انہی حالات سے مناسبت رکھتے ہیں۔

(چنانچہ یہ بات بھی بڑے شدومد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ اسلامی احکام چودہ سو سال قبل کے ماحول میں درست تھے مگر اب چونکہ دنیا ترقی کر چکی ہے اور لوگ تہذیب یافتہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان فرسودہ قوانین کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اسلام نے چور، ڈاکو اور زانی کی جو سزائیں مقرر کی ہیں انہیں وحشیانہ اور انسانیت کے خلاف کہہ کر احکام الٰہی کا کھلا مذاق اڑایا جاتا ہے

،اورلوگ بھی ہیں جو اس طرح مذاق تو نہیں اڑاتے مگر یہ کہتے ہیں کہ ان سزاؤں کے رائج کرنے سے نسل انسانی پر برا اثر پڑتا ہے، علماء کو اس سلسلے میں ''غور وفکر'' سے کام لے کر نئی راہ نکالنی چاہیے۔)

☆ ''انفرادیت پرستی'' کا زور ہر فرد کو دین کے معاملے میں رائے دینے کا حق دار سمجھنا اور استعداد کے سوال کو نا قابل توجہ خیال کرنا، جمہوریت اور مساوات کے معاملے میں غلو اور اسی کے ماتحت تفسیر بالرائے کا حق مانگا جاتا ہے۔

(جمہوریت یا مساوات کا معاملہ بھی عجیب ہے، جمہوریت ہر کس و ناکس کو ہر معاملے میں رائے زنی کا حق دیتی ہے جو سراسر اسلامی، شرعی اور فطری اصول کے خلاف ہے، اسی جمہوری اصول کے تحت لوگ دین پر اعتراضات یا اعتراض نما سوال کرتے ہیں، خود کو ''دانش ور'' کہلوانے والے اس بات کا بھی بہت چرچا کرتے ہیں کہ دینی مسائل کی تشریح و توضیح اور اجتہاد کا حق صرف ''منتخب پارلیمنٹ'' کو ہونا چاہیے، اس طرح وہ دینی احکام میں ترمیم و تنسیخ کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں، منتخب پارلیمنٹ میں کون لوگ ہوتے ہیں؟ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔)

یہ اور اسی طرح کی بیش تر گمراہیاں اور مغربی تصورات ہمارے ہاں رواج عام پا گئے ہیں، بظاہر یہ تصورات بہت سادہ معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے ضمن میں موجود زہر کو ڈھونڈ نکالنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ بہت سے مغربی تصورات تو ایسے ہی جن کا بعض دین دار سمجھے جانے والے لوگ بھی بظاہر یا بباطن سہارا لیتے ہیں۔ حال ہی میں ہمارے ملک کی ایک دینی جماعت کے سربراہ نے طالبان کے حوالے سے اپنا ایک مضمون لکھا اور برملا کہا کہ وہ عورتوں کی تعلیم، برقع اور ٹی وی پر پابندی لگا کر طالبان نے مغرب کو خوش گوار پیغام نہیں دیا'' اسی طرح انہوں نے حجاب اور داڑھی پر سختی کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے کہا کہ ''انہیں کبھی بھی اسلام کے اجتماعی نظام ترجیحات میں سب سے بلند و بالا مقام حاصل نہیں رہا، طالبان نے عورتوں کی تعلیم پر قدغن لگا کر مغربی ذرائع ابلاغ کو اپنے خلاف پروپیگنڈا کا موقع فراہم کیا۔'' انہیں اس بات کا بھی قلق ہے کہ طالبان نے آتے ہی ڈاکوؤں کو سولی پر کیوں لٹکا دیا چہ جائیکہ وہ درجنوں افراد کے قاتل تھے۔

قارئین! اوپر دیئے گئے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اسلامی تحریکوں اور دینی جماعتوں کو ایسے امور سے باز رہنا چاہیے، جن کی وجہ سے مغرب کو پروپیگنڈے کا موقع مل سکے، کوشش کرنی چاہیے کہ دین پر اس طرح عمل کیا جائے کہ مغرب نہ صرف یہ کہ اس کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع نہ کر سکے بلکہ اسے قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ چنانچہ شرعی قوانین میں تبدیلی یا نرمی (دین میں تحریف) کر کے ٹیلی ویژن کو جائز قرار دینا چاہیے، خواتین کی تعلیم رائج ہونی چاہیے، داڑھی رکھنے اور حجاب کرنے کے لئے سختی کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے، حالانکہ منکرات سے نفرت اور داڑھی رکھنا ،حجاب کرنا ہی اسلامی معاشرے کا اصل حسن اور لازمی حصہ ہے۔ یہ تو یوں ہی چلتے چلتے ایک مثال سامنے آ گئی ورنہ ہمارے اردگرد ماحول میں ہزاروں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ بہت سے لوگ کسی صریح حرام کے جائز ہونے کا زبان سے اقرار نہیں کرتے مگر ان کا عمل شرعی حکم سے ہٹ کر ہوتا ہے جسے کہ عام لوگ اپنے لئے وجہ جواز بناتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایک اور بہت بڑا مغالطہ پایا جاتا ہے کہ ''اسلام جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار ہے'' حالانکہ دونوں مختلف عقیدہ و نظریہ ہیں، دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسلام مساوات کا قائل ہے اور جمہوریت سراسر مساوات ہے۔لہٰذا اسلام جمہوری نظام ہے(**نعوذ باللہ من ذالک**)یہ ایک ایسا موضوع ہے جو سیر حاصل گفتگو چاہتا ہے اسے پھر کسی وقت پر اٹھا رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ بعض ''اہل علم'' کہتے ہیں کہ اسلام میں حکومتی طریق کار کے بارے میں واضح احکام اور ہدایات نہیں ہیں۔خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کیلئے مغربی نظام کو اپنا لیتے ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام میں کوئی دستوری ڈھانچہ نہیں، چنانچہ ہر ''صاحب فکر'' آدمی ذاتی مطالعے کی روشنی میں اسلامی نظم مملکت کے متعلق توضیح وتشریح کرنے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ جس آدمی نے سوشل ازم کا مطالعہ کیا ہو وہ کہتا ہے کہ اس کا نظام معیشت ہو بہو اسلامی نظام معیشت ہے، جس نے ڈیموکریسی (جمہوریت) کا مطالعہ کیا ہو وہ کہتا ہے کہ یہ نظام بعینہ اسلام ہے، یہی وجہ ہے کہ ماضی میں اسلامی سوشل ازم، اسلامی جمہوریت وغیرہ کے نعرے موجود رہے، روس کے بکھر جانے سے اسلامی سوشل ازم کا نعرہ تو مکمل طور پر دب گیا مگر ''اسلامی جمہوریت'' کی پھانس ابھی بھی مضبوطی سے بہت سے لوگوں کے حلق میں اٹکی ہوئی ہے۔یہ سب فکری مغالطے ہیں جنہیں پھیلانے میں غیر ملکی این جی اوز دین کی راہ سے ہٹے ہوئے مختلف فکری طبقات اور ہمارا ماڈرن معاشرہ پیش پیش ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام نہ سوشلسٹ ہے اور نہ ہی جمہوری، ایسی بات ہوتی تو طالبان نے افغانستان میں جو اسلام نافذ کیا تھا اس کے ساتھ ضرور ایسا لاحقہ یا سابقہ لگایا جاتا، امارت اسلامی افغانستان کے متعلق کبھی بھی کسی نے نہیں کہا کہ یہ جمہوری امارت ہے، یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ انہوں نے خالص اسلامی نظام نافذ کیا تھا۔الیکشن، انتخابات، پارلیمنٹ اور اسمبلی خالص جمہوری اصطلاحات ہیں، طالبان اگر ان میں سے کسی چیز کو بھی اسلام یا اسلام سے قریب تر سمجھتے تو اپنے نظم میں ضرور جگہ دیتے۔امریکہ اور یورپ کی طرف سے طالبان پر دباؤ رہا کہ وہ اپنے ملک میں انتخابات کرائیں اور اسے ایک جمہوری ملک بنائیں، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جمہوریت کے اصل علمبردار یہود و نصاریٰ ہیں، مگر ہمارے ہاں جمہوریت کو بھی اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس تحریر کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ ہمارے علماء اور طلبا کو جدید علم کلام اور جدید فکری رجحانات کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مغرب کس بات کو کس انداز میں کہہ رہا ہے اور کون لوگ ہمارے ہاں اس بات کی ترویج و اشاعت کر رہے ہیں، نیز اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ ہمارے عقائد، نظریات، ہمارے دینی معاشرتی اور اجتماعی نظام میں کہاں کہاں نقب لگائی گئی ہے۔''جدیدیت'' آج سے قریباً چوبیس پچیس برس قبل شائع ہوئی تھی، اس میں ذکر کردہ فکری مغالطے نہ صرف جوں کے توں موجود ہیں بلکہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ شدت آ گئی ہے۔ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے چند اساتذہ کرام کی رہنمائی ضرور حاصل رہے ورنہ ادھر اُدھر بھٹکنے کے خدشات بھی موجود رہتے ہیں۔